آزادی کا سفر

1857 تا 1947

مصنف

سردار محمد اکرم بٹر صاحب

Al Madina Library

0321-7031640

طالب دعا: المدینہ لائبریری ٹیم

کاروانِ آزادی

سردار محمد اکرم بٹر

آزادی کا سفر

۱۸۵۷ء تا ۱۹۴۷ء

آزادی ایک نعمت ہے جس کا کوئی نعم البدل نہیں، یہ ایک لافانی حقیقت اور سچائی ہے جسے جھٹلانا ناممکن، آزادی نشان ہے عزت و وقار اور خودشناسی کا، آزادی پہچان ہے، غیرت منداور جانباز سرفروشوں کی، تاریخ عالم گواہ ہے کہ ہر زمانہ میں آزادی اور غلامی کی کشمکش جاری رہی، محکوم قومیں ہمیشہ حصول آزادی کے لیے حریت کی داستانیں رقم کرتی رہی ہیں کیونکہ آزادی کی ایک سانس غلامی کی ہزار سانسوں سے افضل، آزادی کا ایک دن غلامی کے سینکڑوں دنوں سے بہتر، آزادی جزو ایمان جبکہ غلامی مایوسی اور کفر کی علامت، آزادی بقا کا نشان جبکہ غلامی موت سے بدتر، یہی وہ نعمت عظمیٰ ہے جس کے حصول کی خاطر برصغیر پاک و ہند کے لاکھوں انسانوں نے اپنی جانوں کے نذرانے پیش کیے، تاریخ عالم کی سب سے بڑی ہجرت وقوع پذیر ہوئی، لاکھوں پاک دامن ''دختران اسلام'' کی عصمتیں برباد ہوئیں، کشتوں کے پشتے لگ گئے ہاں یہ وہی برصغیر ہے جس کی مٹی آج بھی ''امن کے دیوتا'' محمد بن قاسم کے گھوڑوں کی چاپ سن رہی ہے یہ وہی خطہ زمین ہے جس پر ۱۱ سو سال تک مسلمانوں نے حکمرانی کی لیکن کسی ایک بھی عوامی بیٹی کی عزت پر حرف نہیں آنے دیا، محمد بن قاسم جب راجہ داہر کے مظالم سے تنگ ایک بہن کی پکار پر برصغیر میں آیا تو پھر سب بہنوں کی عزت محفوظ ہوگئی اور صدیوں تک باشندگان ہند نے اسلامی حکمرانوں کے عدل و انصاف کا مظاہرہ دیکھا، طوالت سے بچتے ہوئے صرف اتنا ہی کہنا چاہوں گا کہ غوری ہوں یا غلاماں، خلجی ہوں یا تغلق، سادات کی حکومت ہو یا لودھی اور سوری جانباز یا پھر فرغانہ سے آئے ہوئے ظہیر الدین بابر سے لے کر بہادر شاہ ظفر تک خاندان مغلیہ کے شاہزادے سب نے اسلام کے امن و آشتی اور عدل و انصاف کے سنہری اصولوں کی پاسداری کی ہے۔ بحیثیت مجموعی برصغیر میں بسنے والی کوئی بھی قوم اسلامی دور حکومت میں ظلم و جبر کا شکار نہیں ہوئی، لیکن افسوس کہ دشمنان اسلام کی چالبازیوں اور ''میر جعفر و صادق'' جیسے غداروں کی سازشوں کے نتیجہ میں جب سراج الدولہ اور سلطان ٹیپو جیسے ''آخری

چراغ‘‘ بھی بجھا دیئے گئے، تو فرنگی استبداد نے اپنے قدم مضبوطی سے جمانے کے لیے ہر اس چھوٹی سے چھوٹی رکاوٹ کو بھی راستہ سے ہٹا دیا جو ان کے لیے خطرہ بن سکتی تھی ایسٹ انڈیا کمپنی نے جب ۱۸۵۷ء میں تخت دھلی کے آخری مسلمان فرمانروا، بہادر شاہ ظفر کو گرفتار کر کے رنگون پہنچا دیا اور شہزادگانِ مغلیہ کو آزادی کے متوالوں سمیت گولیوں کی بوچھاڑ یا پھانسی کے پھندہ سے شہید کر دیا تو ان کی توجہ عوام الناس خصوصاً اسلامیانِ ہند کی طرف مبذول ہوئی شاطر ہندو تو صدیوں سے اس موقعہ کی تلاش میں تھا لہٰذا اس نے بھی اس موقعہ سے بھرپور فائدہ اٹھاتے ہوئے غیر ملکی حکمرانوں کے ساتھ وفاداری کا اعلان کر کے مسلمانوں کی نسل کشی میں حصہ لینا شروع کر دیا، بس پھر کیا تھا، مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کر دیا گیا اور کوئی ایسی قوت نظر نہیں آ رہی تھی جو غلامی کے اس خونچکاں سمندر سے مسلمانوں کی کشتی کو نکالے، ہر طرف آگ برس رہی تھی ،لاشیں گر رہی تھیں اور امید کی کرن مدہم ہوتی جا رہی تھی ،فرنگی استبداد کا ظلم حد سے بڑھ گیا تو مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ کے جانشین یہ نعرہ مستانہ لگا کر میدان جہاد میں کود پڑے کہ

آؤ اپنے جسم و جان چن دیں اینٹ پتھر کی طرح
بے در ودیوار ہے لیکن یہ گھر اپنا تو ہے
جنت سے کہیں بڑھ کر حسین میرا وطن ہے
ہمسر ہے فلک کے جو زمیں میرا وطن ہے

چنانچہ علماء ومشائخ اہلسنت نے امام المجاہدین مولانا فضل حق خیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ کے فتویٰ جہاد ۱۸۵۷ء کی صورت میں فرنگی حکمرانوں کے خلاف اعلان جہاد کر دیا جس کے ساتھ ہی بے سہاروں کو منزل نظر آنے لگی، اسلامیان ہند نے امید کی اس کرن کو ’’آفتاب منزل‘‘ سمجھ کر اپنے سروں پر کفن باندھ لیے، آخری دور کے مغل شہزادوں کی بے اعتدالیوں اور گناہوں کا کفارہ ادا کرنے کے لیے اپنی جانوں کی شکل میں آزادی کی قیمت ادا کرنے لگے، رئیس المجاہدین علامہ سید احمد اللہ شاہ مدراسی، جنرل بخت خان، مفتی عنایت احمد کاکوروی شہید، مولانا وہاج الدین مراد آبادی شہید، علامہ صدر الدین آزردہ ،علامہ رسول بخش کاکوروی شہید ، امام بخش صہبائی، مولانا کافی مراد آبادی اور مولانا رضی الدین بدایونی ایسے مجاہدین آزادی اور سرفروشان اسلام نے اپنا خون جگر وطن پر قربان کر دیا اس طرح انہوں نے پھانسی کے تختوں پر چڑھ کر اور کالے پانی کی تکالیف برداشت کر کے تحریک آزادی کی بنیاد رکھ دی۔ امام فضل حق خیر آبادی کا تو وصال بھی کالے پانی ’’جزائر انڈیمان‘‘ میں ہوا۔

کس نے دل کے لہو سے لالہ و گل میں رنگ بھرا
جن کو دعویٰ ہو گلشن پر ہم سے آنکھیں چار کریں

آزادی کی جدوجہد میں ہزاروں نوجوانوں ،علماء کرام اور مشائخ عظام نے قربانیوں کی لازوال داستان رقم کی، اگرچہ باقاعدہ منظم جہادی تحریک نہ ہونے کی وجہ سے انگریز انہیں الگ الگ محاذوں پر کچل دینے میں کامیاب ہو گئے، دینی مدارس، خانقاہوں اور قیمتی لائبریریوں کو تباہ و برباد کر کے نذر آتش کر دیا گیا اور تمام وقف جائیدادیں بحق سرکار ضبط کر لی گئیں۔لیکن ان تمام تر مظالم کے باوجود جذبہ جہاد کی یہ چنگاری راکھ کے اس ڈھیر میں بجھی نہیں بلکہ آزادی کے متوالے آگے بڑھتے رہے۔

یہ بھی ''تاریخ کا ایک جبر'' ہی تو ہے کہ بعد میں مخصوص فکر کے علمبردار ایک طبقہ فکر نے برصغیر میں انگریزی سامراج کی بنیادیں ہلانے والوں اور اسلامی حکومت کے اولین معماروں کو تو پس پشت ڈال دیا اور ان کے مقابلے میں بوجوہ سیّد احمد بریلوی اور شاہ محمد اسماعیل دہلوی کو پورے برصغیر کی مذہبی ملی تحریک کا واحد ہیرو بنانے کی کوششیں شروع کر دی گئیں ایک گروہ پر تاریخ کی یہ تیز روشنی اور دوسرے کو اندھیروں میں رکھنے کے پیچھے دو علیحدہ علیحدہ نظریات تھے اس وقت سیّد احمد بریلوی کی تحریک پر تبصرہ مقصود نہیں ہے صرف ان کے جانشین حسین احمد مدنی کا تحریک بالاکوٹ پر یہ تجزیہ پیش کر کے بات آگے بڑھائیں گے۔

''سیّد صاحب کا اصل مقصد چونکہ ہندستان سے انگریزی تسلط اور اقتدار کا قلع قمع کرنا تھا جس کے باعث ہندو مسلمان دونوں پریشان تھے، اس بنا پر آپ نے اپنے ساتھ ہندوؤں کو بھی دعوت دی اور صاف صاف انہیں بتایا کہ آپ کا واحد مقصد ملک سے پردیسی لوگوں کا اقتدار ختم کرنا ہے اس کے بعد حکومت کس کی ہوگی اس سے آپ کو غرض نہیں جو لوگ حکومت کے اہل ہوں گے ہندو یا مسلمان یا دونوں وہ حکومت کریں گے۔(نقش حیات بحوالہ اکابر تحریک پاکستان)

شاید ایسے ہی لوگوں کے متعلق شاعر نے کہا ہے کہ

؎ راہبری کا پرچم جو ہاتھ میں لیے ہو اس کو کیا کہوں
خوف سے رہبر مان لوں یا بے خوف ہو کر راہزن کہوں

ہلاکت و بربادی اور ظلم و استبداد کے باوجود جب انگریزی حکمران جذبہ حریت کو ختم کرنے میں ناکام ہو گئے تو انہوں نے مسلمانوں کو دبانے کے لیے ''دیگر ذرائع'' سے کام لیا انہوں نے مسلمانوں کی تاریخ کا مطالعہ کر کے ماضی کے حالات کا تجزیہ کیا تو انہیں معلوم ہوا کہ مسلمانوں کی وحدت کا مرکز عشق مصطفیٰ ﷺ ہے اگر انہیں

شکست دینی ہے اوران پرحکومت کرنا ہے تو یہ ''دولت'' ان سے چھین لو۔

وہ فاقہ کش کہ موت سے ڈرتا نہیں ذرا
روحِ محمد اس کے بدن سے نکال دو

یہ کتنی تلخ حقیقت ہے کہ اپنے اس منحوس مقصد کے لیے ایک طرف انہیں عجمی نبی بصورت مرزا غلام احمد قادیانی میسر آ گیا تو دوسری طرف ''نام نہاد علماء'' کا ایک ٹولہ مل گیا جو سرکاری سرپرستی میں آگے بڑھنا چاہتا تھا۔ انہی ''علماء'' نے انگریز کے اشارہ ابرو پر ایک نیا محاذ کھول دیا ہندوؤں سے ساز باز کر کے مسلمانوں کا ملی تشخص ختم کرنے کے لیے ''ہندو مسلم اتحاد'' کی آڑ میں اکھنڈ بھارت کا نعرہ لگایا کانگرسی ملاؤں کے خطرناک منصوبوں اوران کے مہلک نتائج کو سب سے پہلے جس شخص نے بھانپ لیا اور اس کے خلاف آواز بلند کی وہ ہے علامہ مولانا الشاہ احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ۔ آپ نے ۱۳۱۸ھ ۱۸۹۷ء کو پہلی ''سنی کانفرنس پٹنہ'' کے عظیم الشان اجتماع میں خطاب کرتے ہوئے فرمایا ''ندوہ تمام بدمذہبوں سے اتحاد چاہتی ہے اور فرض کرتی ہے کہ سب کلمہ گوحق پر ہیں اور خدا کے معاملوں کا پورا نمونہ ہے'' اس کے معاملے کو دیکھ کر خدا کی رضا اور ناراضی کا حال کھل سکتا ہے، کلمہ گو کیسا ہی بد دین و بد مذہب ہو ان میں سے جو زیادہ متقی ہے خدا کو زیادہ پیارا ہے ندوۃ العلماء کے اس فلسفہ کے مقابل امام احمد رضا نے دوقومی نظریہ پیش کیا کہ مسلمان ایک الگ وحدت ہیں اور تمام غیر مسلم قوتیں ان کے مقابل دوسری وحدت ہیں، تاریخ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ مجددِ الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کے بعد دوقومی نظریہ پیش کرنے والے امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

۱۹۰۶ء میں آل انڈیا مسلم لیگ قائم ہوئی لیکن یہ بھی آزادی کے راستہ پر کھل کر گامزن نہ ہوسکی، کیونکہ اس کو بنانے والے تقریباً سبھی نواب تھے اور کانگریس جو کہ انگریز اور ہندو کی سرپرستی میں متحدہ قومیت کے لیے جدوجہد کر رہی تھی اس کا مقابلہ کرنا لیگ کے لیے ابھی مشکل تھا۔ چنانچہ اس دوران بہت سی شخصیات نے مختلف انداز میں دوقومی نظریہ پیش کیا۔

''۱۹۱۵ء میں ضلع ہوشیار پور کے ایک نوجوان چودھری رحمت علی نے ایک مسلم ریاست کا مطالبہ کیا اور پھر ۱۹۳۳ء میں انہوں نے اپنے مشہور پمفلٹ Now or Never میں باقاعدہ طور ایک اسلامی ریاست کا مطالبہ کیا، ۱۹۱۷ء میں عبدالجبار خیری اور پروفیسر عبدالستار خیری نے اسٹاک ہوم میں تقسیم ہند کی تجویز پیش کی، ۱۹۲۳ء میں ڈیرہ اسماعیل خان کے سردار محمد گل خاں نے علیحدہ وطن کی تجویز پیش کی۔ ۱۹۲۵ء میں مولانا محمد علی جوہر نے مسلم کوریڈور کی تجویز دی جبکہ ۱۹۲۸ء میں آغا خان سوئم نے ہر صوبہ کی خودمختاری کی تجویز دی لیکن ان میں سب سے واضح

دوقومی نظریہ اور الگ ریاست کا منصوبہ ممتاز اہلسنت عالم دین مولانا محمد عبدالقدیر بدایونی رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۹۲۰ء میں ''گاندھی کے نام کھلے خط'' میں پیش کیا اور برصغیر میں ریاست کے علاقہ جات پر تفصیل سے بات کی، ان سب تجویزوں کے بعد مسلم لیگ کے صدر مفکر پاکستان علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے سالانہ اجتماع منعقدہ الہ آباد ۱۹۳۰ء میں صدارتی خطبہ میں تقسیم ہند کا منصوبہ پیش کیا۔ (تحریک آزادی ہند، ڈاکٹر مسعود احمد)

متذکرہ بالا حوالہ جات کے مطابق دوقومی نظریہ مختلف ادوار میں کئی نامور اور ممتاز شخصیات کی طرف سے پیش کیا جاتا رہا، جس کا مقصد یہی تھا کہ مسلمانوں کے لیے ایک الگ وطن کا مطالبہ کیا جائے۔ آل انڈیا مسلم لیگ کی جدوجہد اس وقت آگے بڑھی جب اس کی باگ ڈور قائداعظم محمد علی جناح رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ہاتھوں میں لی اور جرأتمندی سے اپنا موقف پیش کرنا شروع کیا، لیکن قائداعظم کا مقابلہ صرف انگریز سے نہیں تھا بلکہ انہیں جمعیت العلماء ہند، مجلس احرار، تحریک خاکسار، جماعت اسلامی، یونی نیسٹ پارٹی اور نیشنلسٹ علماء جیسے نام نہاد اسلامی گروپوں سے بھی چومکھی لڑائی لڑنا پڑ رہی تھی، ان ٹولوں کی قیادت مولانا حسین احمد مدنی، عطاء اللہ شاہ بخاری، علامہ مشرقی، مولانا مودودی، ابوالکلام آزاد جیسے سیاستدانوں کے ہاتھ میں تھی، اس لیے تحریک آزادی میں تیز رفتاری نہیں آ رہی تھی یہ سب لوگ قائداعظم کی ذاتی کردارکشی اور سیاسی مخالفت کر کے انگریز اور ہندو کے ہاتھ مضبوط کر رہے تھے، اس کے ساتھ ساتھ ایک گروہ ایسا بھی تھا جس نے آل انڈیا مسلم لیگ اور قائداعظم محمد علی جناح کا ڈٹ کر ساتھ دیا اور تحریک آزادی کی جدوجہد کو کامیابی سے ہمکنار کیا، یہ گروہ تھا علماء حق اور مشائخ اسلام کا جنہوں نے ۱۹۲۵ء میں جامعہ نعیمیہ مراد آباد میں آزادیٔ وطن کے لیے ''آل انڈیا سنی کانفرنس'' کے نام سے ایک متحدہ پلیٹ فارم تشکیل دے کر کاروانِ آزادی کی قیادت سنبھال لی، اس مقدس گروہ میں حجۃ الاسلام علامہ حامد رضا خان اور مفتی اعظم ہند مصطفیٰ رضا خان (پسران امام احمد رضا خان بریلوی) امیر ملت پیر سیّد جماعت علی شاہ علی پوری، مبلغ اسلام شاہ محمد عبدالعلیم صدیقی (والد محترم مولانا شاہ احمد نورانی) صدر الافاضل مولانا سیّد نعیم الدین مراد آبادی، غزالی زماں علامہ سید احمد سعید کاظمی، رئیس الاحرار مولانا حسرت موہانی، خواجہ قمرالدین سیالوی، مجاہد ملت مولانا عبدالحامد بدایونی، علامہ سید محمد محدث کچھوچھوی رحمۃ اللہ علیہ، علامہ غلام قطب الدین برہمچاری، سیّد المفسرین سیّد دیدار علی شاہ الوری اور ان کے دونوں صاحبزادے ابوالحسنات سیّد محمد قادری اور ابوالبرکات سیّد احمد قادری، پیر آف مانکی شریف، پیر آف بھرچونڈی شریف، سیّد عارف اللہ شاہ قادری، شیخ المشائخ مولانا سیّد علی حسین اشرفی، مجاہد اسلام سیّد سلیمان اشرف اور مولانا غلام قادر اشرفی جیسے جلیل القدر فرزندان اسلام شامل تھے۔

۱۹۲۵ء میں آل انڈیا سنی کانفرنس کی تشکیل کے ساتھ ہی یہ تمام اکابر برصغیر کے کونے کونے میں پھیل گئے

شہر شہر، قریہ قریہ سنی کانفرنسوں کا سیلاب آ گیا، مسلم لیگ کی قیادت کو ایک نیا عزم اور ولولہ مل گیا اور قائدین اعتماد کے ساتھ انگریز حکمرانوں سے بات کرنے کے قابل ہو گئے، مٹھی بھر لوگ جو کانگریس کے پیسے پر اپنا کھیل کھیل رہے تھے قوم نے ان کو مسترد کر دیا، ۱۹۴۰ء میں جب مسلم لیگ نے قرارداد لاہور منظور کی تو اس وقت سٹیج پر علماء کی نمائندگی کے لیے شیخ القرآن مولانا عبدالغفور ہزارویؒ اور مولانا عبدالحامد بدایونیؒ موجود تھے، اس کے ساتھ ہی آزادی کی جدوجہد فیصلہ کن موڑ پر آ گئی، اس دوران تحریک خلافت، تحریک ہجرت، تحریک انسداد گاؤ کشی، تحریک ترک موالات اور تحاریک شدھی سنگھٹن جیسے کٹھن مرحلے آئے، جب بڑے بڑے اساطین سیاست اپنے قدموں پر قائم نہ رہ سکے اور جذبات کی رو میں بہہ گئے، مسٹر موہن داس کرم چند گاندھی ان نام نہاد مسلمانوں کا لیڈر بن بیٹھا، اسے مساجد کے منبروں پر بٹھا کر تقاریر کرائی جانے لگیں۔ غرضیکہ اسلامیان ہند کی وحدت کو پارہ پارہ کرنے کے لیے ''گھر کے بھیدی'' کی مدد سے فرنگی اور ہندو نے ہر حربہ استعمال کیا مگر اکابر اہلسنت نے اس ثابت قدمی اور جرأت کا مظاہرہ کیا کہ دشمنوں کی ہر چال ناکام ہو گئی، شدھی تحریک میں لاکھوں مسلمانوں کے ایمان برباد ہوئے لیکن علماء کے بروقت اقدام سے ارتداد کا شکار ہونے والے دوبارہ مسلمان ہو گئے، حقیقتاً یہ سب اقدام قائداعظم اور مسلم لیگ کی جدوجہد کو کمزور کرنے کے لیے تھے، لیکن وہ ''کوہ استقامت'' قوم کے تعاون اور بزرگوں کی رہنمائی سے منزل حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا، مسلم لیگ کے حامی اخبارات سیاست، زمیندار، کامریڈ، ہمدرد، ماہنامہ السواد اعظم مراد آباد، الفقیہ امرتسر، و بدبہ سکندری رامپور اور کاروان بہاولپور نے آزادی کا پیغام دور و نزدیک پہنچانے میں تاریخی کردار ادا کیا یہ اخبارات قرارداد پاکستان منظور ہونے سے بہت پہلے اپنی پیشانی پر ''پاکستان'' کا لفظ لکھا کرتے تھے، اس طرح تحریک آزادی کا سفر شروع رہا، آخر کار آل انڈیا سنی کانفرنس نے ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰۔ اپریل ۱۹۴۶ء کو بنارس میں آل انڈیا سنی کانفرنس کے نام سے ایک کل ہند اجتماع منعقد کر کے تحریک آزادی کو منزل کے قریب تر کر دیا، اس کانفرنس میں تقریباً ۵۰۰ مشائخ کرام ۵۰۰۰ علماء کرام اور ڈیڑھ لاکھ سے زائد عوام الناس نے شرکت کی، کانفرنس کے آغاز میں رئیس المحدثین سیّد محمد محدث کچھوچھوی نے خطبہ استقبالیہ پیش کیا، اسی کانفرنس میں آپ کو مستقل طور پر آئندہ کے لیے صدر منتخب کر لیا گیا، جبکہ ناظم اعلیٰ علامہ سیّد نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ چنے گئے، کانفرنس میں جو متفقہ موقف اختیار کیا گیا تھا وہ یہ تھا کہ ''پاکستان ہماری زندگی ہے اس کا حاصل کرنا ضروری ہے، اس سلسلہ میں (خدانخواستہ) اگر مسلم لیگ بھی مطالبہ پاکستان سے دستبردار ہو جائے تو آل انڈیا سنی کانفرنس اس مطالبہ سے دستبردار نہیں ہو گی، (حیات صدر الافاضل) سنی کانفرنس میں جو قرارداد اتفاق رائے سے منظور کی گئی وہ یہ ہے۔

(۱) آل انڈیا سنی کانفرنس کا یہ اجلاس مطالبہ پاکستان کی پرزور حمایت کرتا ہے اور اعلان کرتا ہے کہ علماء و مشائخ اہلسنت اسلامی حکومت کے قیام کی تحریک کو کامیاب بنانے کے لیے ہر امکانی قربانی کے واسطے تیار ہیں اور اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ ایسی حکومت قائم کریں جو قرآن کریم اور احادیث نبویہ کی روشنی میں فقہی اصول کے مطابق ہو۔

(۲) نیز یہ اجلاس اسلامی حکومت کا لائحہ عمل مرتب کرنے کے لیے مندرجہ ذیل کمیٹی بناتا ہے۔ صدر الافاضل سیّد نعیم الدین مرادآبادی، مفتی اعظم ہند مولانا مصطفیٰ رضا خاں، صدر الشریعہ حضرت مولانا امجد علی اعظمی۔ مولانا عبدالحامد بدایونی، مبلغ اسلام مولانا شاہ محمد عبدالعلیم صدیقی، سیّد محمد محدث کچھوچھوی، مولانا سیّد دیوان آل رسول علی خاں اجمیری، خواجہ قمر الدین سیالوی، مولانا ابوالحسنات، سیّد محمد قادری، مولانا ابوالبرکات سیّد احمد قادری، پیر عبدالرحمٰن بھر چونڈی شریف، پیر آف مانکی شریف اور خان بہادر حاجی مصطفیٰ علی بخشی مدراس۔

(۳) یہ اجلاس کمیٹی کو مزید اختیار دیتا ہے کہ حسب ضرورت تمام صوبہ جات سے نمائندے شامل کیئے جا سکتے ہیں۔ (پاکستان بنانے والے علماء و مشائخ، جلال الدین قادری) یہ قافلہ رواں دواں رہا، تمام رکاوٹیں دور ہوتی گئیں۔ اسلامیان ہند کی قربانیاں رنگ لائیں۔ مولانا محمد علی جوہر، مولانا شوکت علیؒ، علامہ محمد اقبال، مولانا نواب بہادر یار جنگ، مولانا ظفر علی خان، سردار عبدالرب نشتر، نوابزادہ لیاقت علی خان، مولانا حسرت موہانی جیسے مسلم لیگی اکابر کی قیادت میں قافلہ آزادی اپنی منزل پر پہنچ گیا۔ مسلم لیگ اور آل انڈیا سنی کانفرنس کی مشترکہ جدوجہد کے نتیجے میں ۱۴۔ اگست ۱۹۴۷ء کو تاریخ کی پہلی نظریاتی اور سب سے بڑی اسلامی ریاست پاکستان کے نام سے قائداعظم محمد علی جناح کی قیادت میں معرض وجود میں آ گئی، جس کی حفاظت اب ہم سب کا فریضہ ہے۔ آخر میں قائدین آزادی کا پیغام نوجوان نسل کے نام پیش ہے۔

چراغ زندگی ہو گا فروزاں ہم نہیں ہوں گے
چمن میں آئے گی فصلِ بہاراں ہم نہیں ہو گے
جوانوں اب تمہارے ہاتھ میں تدبیر عالم ہے
تمہی ہو گے فروغ بزم امکاں ہم نہیں ہوں گے

ہر قسم کی کتاب، رسالہ اور اشتہار
وغیرہ چھپوانے کے لیے ہمارے ساتھ رابطہ کریں۔
0324-4947065

اگر آپ مطالعہ کا شوق رکھتے ہیں تو پریشان نہ ہوں
ہم سے رابطہ کیجئے
کتاب کا نام اور اپنا ایڈریس بتائیے
کتاب آپ کے پاس

المدینہ لائبریری

P-90 بازار نمبر 2 مرضی پورہ نڑوالا روڈ فیصل آباد
0321-7031640

مجلہ محی الدین کے تمام گذشتہ شمارے
آن لائن مطالعہ اور ڈونلوڈنگ کے لئے وزٹ فرمائیں
Www.fb.com/almadinalibrary